© rasailojaraid.com

سفرِ افغانستان کے چند پراگندہ نقوش

ایڈیٹر کے قلم سے

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

محمود غزنوی کے دیس میں

بلخ کے کھنڈرات یا علم و حکمت کے دفینے

آج ۲۲ر جون ۱۹۷۱ء ہے اور عالمِ اسلام کے بطلِ جلیل مجاہدِ اعظم سلطان محمود غزنویؒ کے شہر میں جانے کا پروگرام ہے۔ غیور مسلمانوں کی سرزمین افغانستان میں ہماری آمد کا دسواں دن ہے۔ برادرِ محترم قاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی بھی اس سفر کے ساتھی ہیں — بابر اور ابدالی کے دیس، مجاہدِ اسلام محمود غزنویؒ کے وطن افغانستان کی زیارت کی دیرینہ آرزو تھی۔ ہمارے پڑوس کے یہ مغربی خطے کبھی ہمارے میراثِ علم و حکمت کے علمبردار و امین تھے۔ دین و دانش کی شعاعیں ادھر ہی سے مشرق کو مالا مال کرتی تھیں۔ پھر غلام ہندوستان کے زمانہ میں بھی یہی خطّہ اور غیور افغانوں کا چھوٹا سا ملک حریّت اور جہادِ آزادی کا مدرسہ بنا ہوا تھا۔ اور گویا ایشیا کا یہ بلجیم کمزور قوموں کی قوتوں کا معیار اور اپنی آزادی کا آپ محافظ رہا۔ یہ جیالے افغانوں کا وطن ہے، جنہوں نے عظیم برٹش امپائر کے استعماری عزائم کو مدتوں خاک میں ملائے رکھا۔ جہاں خلافتِ راشدہ کے ابتدائی ادوار ہی میں اسلام کا نور پہنچا اور بحیثیت قوم پوری ملّتِ افغانیہ نے اسلام کو لبیک کہا۔ مغرب پورے جاہ و جلال کے ساتھ بھی اسے غلام نہ بنا سکا اور ایک عرصہ تک مغربیت کی پوری زور آزمائی کے باوجود اسلامی شریعت کی روح یہاں کارفرما رہی۔ مگر آج کا افغانستان اتنے ہی جوش اور ولولہ سے مغرب کی مادہ پرست تہذیب سے بغلگیر ہو رہا ہے، اور مشرقی یورپ کے راستہ سے آئی ہوئی مغربیت گویا اپنی سحر کاریوں میں دو آتشہ ثابت ہو رہی ہے۔ مغرب سے مقابلہ آسان تھا مگر مغربیت عالمِ اسلام کیلئے اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ثابت ہوا، کس کی تاب تھی کہ اس کی چکا چوند کے سامنے ٹھہر سکتا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، قیامت سے پہلے اس تہذیب ہی کی کوکھ سے نکلنے والا فتنہ دجّال ہی تو ہوگا جو پورے عالمِ اسلام کو دامِ تزویر میں لے لیگا — پچھلے دس دنوں میں ہم نے کابل اور اس کے گرد و نواح میں بہت کچھ دیکھا۔ شمال

© rasailojaraid.com

مغرب میں سینکڑوں میل دور ترکستان جانا ہوا۔ مزار شریف (جو حضرت شاہ ولایتمآب علیؓ ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو منسوب ہے) کی زیارت ہوئی۔ اور اس سے ذرا دور روسی سرحد کے سایہ میں وہ ویرانہ بھی دیکھا جو کبھی بلخ کے نام سے عالم اسلام کا مرکز علم و سیاست بنا ہوا تھا۔ جہاں سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹ کر عالم اسلام کے دل و دماغ کی حیات نو کا ذریعہ بنتے تھے۔ اس کے جنوب میں دریائے آمو (جیحون) واقع ہے۔ اس علاقہ میں آریائی تہذیب و تمدن پروان چڑھی، زردشت کی مذہبی آتش پرستی نے یہاں رواج پایا، اور اس دور کا سب سے بڑا آتشکدہ یہیں بنایا گیا۔ تاریخ کے ہر دور میں بلخ نے اپنے اثرات چھوڑے اور بلخ، باکتر، بان، بخدی، باخز، بلھیکا، باخل، پابیک، بلخ بامی، زر اسپ اسی کے مختلف نام رہے پھر عہد فاروقی میں اسلامی افواج کی ترک تازیوں کا مرکز بنا۔ خراسان کے یہی خطے تھے جو حضرت فاروق اعظم کے زمانہ $\frac{۲۳ھ}{۶۴۴ء}$ میں ان کے بھیجے ہوئے ایک سالار حضرت اخنف ابن قیس اور ان کے جانباز ساتھیوں ربعی بن عامر التیمی، عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی، ابن ام غزال الھمدانی جیسے بہادر شاہ سواروں کی آماجگاہ بنے۔ شہنشاہ فارس یزدگرد جو بلخ میں پناہ لئے ہوئے تھا یہیں سے خائب و خاسر ہو کر دریائے جیحون کے راستہ خاقان کی حکومت میں بھاگ نکلا اور حضورؐ کے ایک بہادر سپاہی حضرت اخنف کے ہاتھوں نیشاپور سے طخارستان تک اسلام کا علم لہرانے لگا۔ یہیں حضرت اخنف کے ۲۴ ہزار سر بکف مجاہدین نے خاقان کے عزائم خاک میں ملا دئے تھے اور اسے شکست فاش اٹھانی پڑی۔ قلمرو اسلام میں آنے کے بعد بلخ سامانی، غزنوی، سلجوقی اور صفاری سلاطین کی توجہات کا مرکز اور لبا اوقات پایۂ تخت رہا اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس شہر میں ایک ہزار دینی دار العلوم بارہ سو جامع مسجدیں اور بارہ سو حمام آباد تھے۔ علم و ہنر سیاست و حکمت، طب و فلسفہ، ادب و تصوف میں نابغۂ روزگار شخصیتیں ان خطوں نے اسلام کو دیں۔ اللہ کی طرف سے عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی قوموں کے لئے جو تازیانے مقرر ہیں وقفہ وقفہ سے وہ بھی برستے رہے اور بلخ بائیس۲۲ مرتبہ بہت بڑی تباہی اور تخریب کا نشانہ بنا۔ یہاں تک کہ ۱۲۲۰ء مطابق ۶۱۷ھ میں چنگیز خاں کی فوجیں آئیں اور وحشت و بربریت میں تمام بربادیوں کو مات کر گئیں۔ آج یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ مگر اس کے اس پار بخارا اور سمرقند، خوارزم اور فرغانہ اس دور کی سرخ چنگیزیت کے پنجۂ غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔

الغرض بلخ قبۃ الاسلام اور ام البلاد نے اسلام کے عہد عروج میں ایک مثالی کردار ادا کیا اس سرزمین کے کنارے دریائے آمو (جیحون) بہتا ہے جو آج اس سرخ چنگیزیت کے سامنے

© rasailojaraid.com

سراب کی مانند ایک لکیر بنی ہوئی ہے اور اس سے ذرا دور ہٹ کر وہ دریا بہتا ہے جس کا کبھی ماوراء النہر کے نام سے پوری اسلامی دنیا کے علم و حکمت کے ایوانوں میں غلغلہ رہا ہے۔ یہاں کے علماء اور فقہاء اپنی فقاہت و حکمت اور علمی تبحر کے لحاظ سے عالم اسلام کیلئے ایک ممتاز مکتب فکر بن گئے تھے۔

اب ذرا چشم تصور سے دریا کے اس پار نگاہ دوڑائیے وہ سامنے بخارا اور سمرقند ہے امام بخاریؒ کا مدفن جن کی کتاب بخاری مسلمانوں کے ہاں اللہ کی کتاب کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ امام ترمذیؒ کی بستیاں صاحب ہدایہؒ ان علاقوں ہی میں فقہ کے دریا لنڈھاتے تھے۔ یہاں سے حدیث اور فقہ کو تازگی اور زندگی ملتی رہی۔ آج بھی ہماری گردنیں جن کے احسانات میں دبی ہوئی ہیں۔ ہم نے جو کچھ پایا ان ہی علاقوں سے۔ یہ اسلام کے امین تھے مگر آہ! اب وہاں کیا ہے۔؟ اپنے جلیل القدر امام بخاریؒ کا مدفن، ترمذی کا مولد اور صاحب ہدایہ کا منشاء شاید وہاں کے باسیوں میں سے بھی کسی کو معلوم نہیں ہم پردیسیوں کے تو وہاں نزدیک جانے سے بھی پر جل جائیں گے۔ وتلک الایام نداولھا بین الناس۔

— تو بلخ کے کھنڈرات پر کھڑے ہو کر خوب آنسو بہائے اور سرخ سرحد کے اس پار اپنی عظمتوں کے مزار پہ ایک نگاہ حسرت ڈالئے، وہ دیکھئے آج بخاریؒ اور ترمذیؒ کی سعید روحیں کتنی بے چین ہیں، انکی نوجوان نسلوں کو شاید اسلام سے اتنا تعلق ہو کہ ہمارے آباء و اجداد مسلمان کہلاتے تھے۔ بڑے بوڑھے اپنے ایمان کی دولت بچانے کی خاطر سب کچھ لٹا کر دوسرے ملکوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ اور زیادہ تر روسی استبداد کا نشانہ بن گئے — صد حیف کہ کیسی کیسی متاع بے بہا ہمارے ہاتھوں شامت اعمال کی وجہ سے لٹ گئی — اور سرحد کے اس پار یہ بلخ ہے، یہ بھی تو اس وقت عہد ماضی کا ایک شکستہ ساز رہ گیا ہے۔ یہاں کے باسیوں میں سے اکثر کو معلوم ہی نہیں کہ آج بھی اس کے گرد و گرد اور اہم چوکوں کے قریب علم و حکمت کے کیسے کیسے خزانے مدفون ہیں۔ کبھی یہاں کے طاق و ایوان قال اللہ اور قال الرسول سے گونجتے تھے۔ اور اب زوال پذیر قوموں کی طرح اونگھتے ہوئے اپنی عظمت سے بے فکر باشندوں کی پناہ گاہیں بنی ہیں۔ کبھی ہر گلی مدرسہ تھا اور ہر گھر خانقاہ اولیاء کا ہجوم اور ائمہ عصر اساطین علم و فقہ کا اژدحام۔ اور آج نہ کوئی مدرسہ ہے نہ خانقاہ، نہ کوئی عالم معلوم نہ کسی استاد کا چرچا۔ اس لئے حال کی تلاش سے کیا فائدہ، ماضی کے تجسس میں نکل جائیے۔ قلب و نظر کی تسکین کا کچھ سامان شکستہ کھنڈرات ہی سے مل سکے گا۔ ماضی سے کٹے ہوئے حال نے تو بد حالی کے یہ دن دکھائے — تو دیکھئے وہ شیخ الاسلام سلطان احمد خضرویہؒ کی ٹوٹی پھوٹی قبر ہے جو ۲۴۰ھ میں ابراہیم ادھم، بایزید بسطامی اور امام حاتم اصم کے معاصر تھے، تصوف اور معرفت کی کتابیں انکے

باقی ص ۹ پر